ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ ایم۔اے۔پی ایچ۔ڈی۔(سندھ یونیورسٹی)
مترجم: سید اکرام علی

تذکرۂ مشائخِ سیوستانؒ

(ایک نادر مخطوطہ جو حال میں دریافت ہوا ہے)

کسی دور کی معاشرتی اور ثقافتی تاریخ جاننے کے لیے، بالخصوص اس دور کے لوگوں کی مذہبی زندگی اور روحانی اقدار سمجھنے کے لیے، اولیا اور صوفیائے کرام کے سوانح خصوصاً ان کے ملفوظات اور تذکروں کا مطالعہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ان بزرگوں کے سوانح حیات میں عام لوگوں کی زندگی اور ان کے رہن سہن کی اکثر وہ جھلکیاں مل جاتی ہیں، جن کی نقاب کشائی کرنے سے تاریخ قاصر رہتی ہے۔ بعض اوقات یہ سوانح اس دور کے سیاسی اور اقتصادی حالات پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ ہمارے یہاں محققین تاریخ کو اس مواد کی اہمیت کا احساس اب ہونا شروع ہوا ہے، کیونکہ یہ مواد تاریخ کے اہم ماخذ میں سے ہے اور یہ مواد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شکل میں پاکستان کے تمام علاقوں میں بکثرت مل سکتا ہے۔

سندھ میں اولیا اور صوفیائے کرام کے تذکرے اور سوانح لکھنے کا آغاز دسویں صدی ہجری مطابق سولھویں صدی عیسوی میں ہوا۔ اس زمانے سے لے کر اب تک جتنے تذکروں کا ہمیں علم ہو سکا ہے، ان کو اگر سن تصنیف کے اعتبار سے مرتب کیا جائے تو "تذکرہ مشائخ سیوستان" کا پانچواں نمبر ہے۔ چنانچہ اس تذکرے سے پیشتر جو چار کتابیں اس موضوع سے متعلق ہیں، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) 'تذکرۃ الاولیاء' از قاضی محمود ٹھٹوی۔ مؤلفہ ۹۸۰ھ مطابق ۱۵۷۲ء (اس وقت یہ کتاب نایاب ہے)

(۲) 'حدیقۃ الاولیاء' از عبدالقادر ٹھٹوی۔ مؤلفہ ۱۰۱۶ھ مطابق ۱۶۰۷ء (یہ کتاب سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد نے ۱۹۶۷ء میں شائع کی ہے)۔

(۳) 'تاریخ سندھ' از میر محمد معصوم۔ مؤلفہ ۱۰۱۷ھ مطابق ۱۶۰۸ء (یہ ایک تاریخ کی کتاب ہے لیکن اس میں مؤلف نے اپنے سے پہلے کے ہر تاریخی دور کے مشہور اولیائے کرام کے مختصر سوانح بھی شامل

کر دیے ہیں)

۴۔ "تاریخ مشائخ سندھ"۔ جس کے حوالے سے صاحب "تذکرۂ مشائخ سیوستان" نے مخدوم عثمان شہباز قلندر کے سیہون میں قیام کا حال لکھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب بارہویں صدی ہجری میں بھی سیہون میں موجود تھی۔ کیونکہ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی تصنیف "تذکرۂ مآثر الکرام" میں "تاریخ مشائخ سندھ" کا حوالہ دیا ہے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی ۱۱۴۲ھ (۱۷۳۰ء) میں سیہون میں سرکاری مؤرخ کے عہدے پر فائز ہوئے تھے۔

۵۔ "تذکرۂ مشائخ سیوستان"۔ جو معلومات ہمیں اس وقت تک فراہم ہوئی ہیں ان کے مطابق تذکرۂ مشائخ سیوستان اس سلسلے کی پانچویں کڑی ہے کیونکہ اس سے پہلے متذکرہ بالا چار کتابیں لکھی جا چکی تھیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب سے تقریباً ستر سال قبل "تذکرۂ مشائخ سیوستان" (جس کو اب ہم صرف "تذکرہ" لکھنے پر اکتفا کریں گے) خداداد خاں، صاحب "لب تاریخ سندھ" کے پاس موجود تھا۔ کیونکہ انھوں نے اس تذکرے سے سیہون کے مشہور صوفی بزرگ حضرت قلندر شہباز کے روضہ کی تعمیر سے متعلق کچھ کتبات اور دوسری تفصیلات اخذ کی ہیں۔ یہ کتبات اور تفصیلات اس تذکرے سے پہلے اور کہیں نہیں پائی جاتیں۔ اس کے بعد ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں ایک کاتب بنام "عبداللہ گاد" نے جو "لب تاریخ سندھ" کے ایک قلمی نسخے کی کتابت کر رہے تھے، اس تذکرے کے حوالہ سے ایک طویل اقتباس قلندر شہباز کے روضے کی تعمیر کے سلسلے میں نقل کیا ہے اور "لب تاریخ" کے اپنے قلمی نسخے میں بطور ضمیمہ شامل کر دیا ہے[۱۱]۔ ان صاحبان کے علاوہ حکیم فتح محمد سیہوانی مرحوم نے قلندر شہباز کے سوانح پر ایک رسالہ لکھا اور ان کے روضے کی تعمیر کے متعلق بعینہٖ وہی حال "تذکرۂ مشائخ سیوستان" کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت "تذکرہ مشائخ سیوستان" کا نسخہ قلمی شکل میں موجود تھا لیکن محققین کو پچھلی نصف صدی میں حضرت قلندر شہباز کے متعلق دوسری کتابوں میں مذکورۂ بالا حوالہ جات کے علاوہ اس تذکرے کی کوئی اور چیز دستیاب نہ ہو سکی۔ اب اس تذکرے کی دریافت سے ہمیں وہ پورا اصلی مواد مل جاتا ہے جو اب تک صرف حوالہ جات کی شکل میں متفرق طور پر بعد کی کتابوں میں پایا جاتا تھا۔

راقم الحروف کو جو نسخہ دستیاب ہوا ہے، وہ مکمل ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں تقریباً ۱۲ اوراق ہیں۔ ہر ورق کی لمبائی چوڑائی ۶¼" × ۲¾" ہے اور ہر صفحے میں سولہ سطریں ہیں۔

مصنف اور تذکرہ کی وجۂ تصنیف

تذکرے کے مصنف عبدالغفور بن حیدر ہیں، جو سیہون کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے رسالہ کا سن تالیف نہیں لکھا۔ البتہ یہ لکھا ہے کہ جب نواب "سید محمد بوہ الملقب بہ دین دار خاں غازی" اللہ انھیں اپنی حفظ و امان میں رکھے، انھیں عمر دراز عطا فرمائے اور ان کی دلی امیدیں بر لائے، سیوستان کے دارالخلافہ "بلدہ سیوستان" یعنی سیہون پہنچے، تو انھوں نے یہاں کے صوفیائے کرام کے حالات دریافت کیے۔ لیکن چونکہ لوگوں کے پاس کوئی تحریری مواد کسی رسالے یا تذکرے کی شکل میں موجود نہ تھا اس لیے وہ صرف اپنی یادداشت سے زبانی احوال بیان کر سکے۔ لہٰذا مصنف کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ماقبل کی کتابوں اور موجودہ معتبر شہادتوں پر مبنی چند صفحات قلم بند کر دیے جائیں، اور ان صفحات کو روضوں کے مجاوروں کی معلومات کے لیے ان کے حوالے کر دیا جائے۔ انھوں نے اس مختصر رسالہ کا نام "تذکرۂ مشائخ سیوستان" رکھا۔

سن تالیف

سید محمد بوہ عہد جہانگیری کے اٹھارہویں سال (یعنی ۱۰۳۱ھ مطابق ۱۶۲۱ء) میں برسر اقتدار آئے۔ بعد میں شہنشاہ شاہجہاں نے ان کو "دین دار خاں" کے خطاب سے نواز کر ان کا مرتبہ اور بلند کر دیا اور انھیں سندھ میں حاکم "سرکار سیوستان" کے اعلیٰ منصب پر فائز کیا۔ صاحب تذکرۂ مشائخ سیوستان نے ان کا پورا نام اور خطاب "سید محمد بوہ الملقب بہ دین دار خاں غازی" تحریر کیا ہے۔ اور ان کی سیہون میں آمد کی تاریخ ۱۰۳۹ھ (۱۶۲۹ء) لکھی ہے۔ جو کتبات انھوں نے سیہون میں چھوڑے، ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نواب دین دار خاں وہاں ۱۰۳۹ھ سے ۱۰۴۲ھ تک قیام پذیر رہے۔ ہم عصر مؤرخ یوسف میرک نے اپنی تاریخ "مظہر شاہجہانی" (مؤلفہ ۱۰۴۴ھ) میں ان کے دورِ حکومت میں "سرکار سیوستان" کے نظم و نسق پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ مورخ موصوف کے تحریر کردہ حالات سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نواب دین دار خاں خریف اور ربیع ۱۰۴۲ھ مطابق ۱۶۳۲ء میں سیہون میں موجود تھے۔ البتہ ربیع ۱۰۴۲ھ کے دوران ان کی جگہ جاں نثار خاں کا تقرر ہوا۔ دین دار خاں نے ۱۰۵۵ھ میں وفات پائی۔

ان حوالوں کی بنا پر تذکرے کا سنِ تالیف یقینی طور پر ۱۰۴۲ھ مطابق ۱۶۳۲ء قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ مصنف نے اس سال کے کتبوں کا حوالہ دیا ہے اور انھوں نے یہ تذکرہ اس وقت لکھا جب نواب دین دار خاں ابھی سیہون میں موجود تھے۔

بڑا (تاریخی ہسٹوریکل) کتاب موجود ہے

تذکرہ مشائخ سیوستان کے مآخذ

مصنف نے اپنے رسالے کی بنیاد کچھ تو پہلے کی لکھی ہوئی کتابوں اور کچھ اس زمانے کے معتبر لوگوں کے بیانات پر رکھنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے بعض صوفیائے کرام کے حالات کی تدوین میں سیہون کے معمر اور معتبر حضرات کا حوالہ بھی دیا ہے۔ پہلے کی لکھی ہوئی جن کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں: (۱) تذکرہ مشائخ سندھ جس کا حوالہ دو بار دیا گیا ہے (۲) تاریخ فیروز شاہی الموسوم بہ تاریخ فیروزی (۳) کتب تاریخ سندھ جن میں وہ "چچ نامہ اور" دوسری "کتابوں کا ذکر کرتے ہیں۔ غالباً" تاریخ سندھ مصنفہ میر معصوم جو تقریباً ۷۲ سال پہلے ۱۰۱۱ھ میں تالیف کی گئی تھی، ان کے پیش نظر رہی ہوگی "تاریخ فیروز شاہی کا ذکر سندھ کے تمام محققین میں سب سے پہلے اس تذکرے کے فاضل مصنف ہی نے کیا ہے۔ تاریخ فیروز شاہی سے ان کی مراد ضیاء برنی کی لکھی ہوئی تاریخ فیروز شاہی ہے، جس میں "شیخ عثمان" (شہباز قلندر) کی ملتان میں آمد کا ذکر موجود ہے[۶] غالباً میر معصوم نے بھی حضرت قلندر شہباز کے حالات 'تاریخ فیروز شاہی' سے نقل کیے ہیں۔ اپنی تصانیف میں وہ اپنے ماخذ کا ذکر شاذ و نادر ہی کرتے ہیں۔

تذکرہ کا مواد اور فوائد

یہ تذکرہ چودہ صوفیائے کرام کے سوانح پر مشتمل ہے، جو سیہون میں دفن ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی علی الترتیب حسب ذیل ہیں:

1. حضرت مخدوم عثمان قلندر —— "لعل شہباز"
2. حضرت شیخ چھٹا "عراقی"
3. مخدوم قاضی برہان الدین (جن کا اصل وطن ماوراء النہر تھا)
4. شیخ تخرج
5. سید محب افغانی
6. حاجی سردہ لاکھا
7. شیخ دودہ
8. قاضی وتہ ابن مخدوم راہو۔ (شاہ میاں میاں مہر ... ... پاچسر ...)

(سائیں ...)

۴- چار سو سال قبل کی تاریخ کیسے درست ہوگی (جبکہ کتب میں غیر مستند ہیں)
تذکرۂ مشائخ سیوستان - اور زیادہ ہی معاملہ نادرست ہے؟

۹- قاضی ادریس (برادر قاضی دِتہ)

۱۰- شیخ ٹوپن

۱۱- مخدوم اسکندر

۱۲- سید سالار غازی

۱۳- شیخ احمد سندائی

۱۴- سید میاں جلال

سیہون کے مشہور ولی حضرت مخدوم عثمان قلندر لعل شہباز کے حالاتِ زندگی جو تذکرہ مشائخ سیوستان میں مذکور ہیں، ان کے قدیم ترین اور مفصل ترین سوانح میں شمار کیے جاتے ہیں۔ تذکرہ میں ان کی تاریخ وفات سیہون کے مقام پر ۶۷۳ھ (۱۲۷۴ء) دی گئی ہے۔ حضرت قلندر لعل شہباز کے حالات کے لیے مصنف نے ماقبل کے تذکروں سے استفادہ کیا ہے، لیکن باقی تیرہ بزرگوں کے سوانح مصنف کی ذاتی معلومات کا نتیجہ ہیں۔ ان بزرگوں کے سوانح کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ ان کا ذکر تذکرۂ مشائخ سندھ میں بھی نہیں پایا جاتا ہے۔

حضرت مخدوم عثمان قلندر لعل شہباز کے روضہ، اس سے ملحقہ مساجد اور دیگر عمارتوں کے کتبوں کو سب سے پہلے ضابطۂ تحریر میں لانے کا سہرا بھی صاحبِ تذکرہ ہی کے سر ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، ان کتبوں میں فارسی کے چار قدیم ترین کتبوں میں سے جو سندھ میں پائے جاتے ہیں، تین کتبوں کا متن تذکرہ میں منقول ہے۔ بعد کے مصنفین نے ان میں سے دو کتبوں کی تفصیل کے لیے اسی تذکرہ سے استفادہ کیا ہے۔ یہ دو کتبے حضرت قلندر شہباز اور ان کے خادم و ہم نشین سید علاء الحق حاجی علی بغدادی کے مزارات پر کندہ ملتے جو ۷۵۷ھ (۱۳۵۶ء) میں سلطان فیروز شاہ کے عہد حکومت میں ان کے گورنر ملک اختیار الدین نے تعمیر کرائے تھے۔ یہ دونوں کتبے آج بھی محفوظ ہیں البتہ امتدادِ زمانہ سے ان کے نقوش کچھ دھندلے پڑ گئے ہیں۔

اسی سلسلے میں ایک تیسرا اور قدیم ترین کتبہ بھی اب تک موجود ہے، جس میں سلطان محمد بن تغلق کی قبر کے اوپر قبہ کی تعمیر کی تاریخ ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) کندہ ہے۔ متذکرہ کتبے کی عبارت حسب ذیل ہے:

جہاں مردم کش است ای دل مباش از جاں وفاداش
کہ جز کین وجفا نامد دبید ادی دگر کارش

تو از حال محمد شاہ برگیر اعتبار از وی
کہ چوں اورنگ شاہی در ربود ایں دور غدارش

شہنشاہ ست ایں ای خواجہ کش بینی بہ خاک اندر
کہ ہمچو بندگاں بودند شاہانِ جہاندارش

اگرچہ بیش ازیں صدبار در بارش چناں دیدی
کنوں چشم خرد بکشا در اینجا بنگر ایں بارش

جہاں بکشاد از مردی و بخشید از جواں مردی
بدہر از کوشش و بخشش فراواں بود کردارش

شد از ماہ محرم بیست ویک کاندر شب شنبہ
گزشتہ ہفتصد و پنجاہ دو شد عزم آں دارش

بعہدِ دولتِ فیروز شاہِ خسرو گیتی
کہ یزداں بر سریرِ سلطنت باد انگہدارش

بر اں سلطانِ دین پرور بر آمد ایں چنیں گنبد
کہ آمد پیش پائے گنبد گردوں دوارش

بسالِ ہفتصد و پنجاہ و چار از ہجرت احمد
قبولِ بندۂ درگاہِ او سر مست معمارش[۵۸]

اسی کتبے کی بنا پر مولوی ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ سلطان محمد بن تغلق سیہون میں دفن ہے۔[۵۹] اور اسی خیال کی تائید بعد میں ڈاکٹر یو۔ ایم۔ داؤد پوتہ مرحوم نے بھی کی۔[۶۰] لیکن راقم الحروف نے اس مفروضے کی اصلاح کی کہ سلطان کو سیہون میں امانت کے طور پر دفن کیا گیا تھا اور بعد میں اس کا تابوت مستقل طور پر دفن کرنے کے لیے وہاں سے ہٹا کر دہلی لے جایا گیا۔ چنانچہ سلطان فیروز شاہ کی خود نوشت سوانح "فتوحات فیروز شاہی" سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔[۶۱]

اس کتبے میں سلطان کی تاریخ وفات "شب ہفتہ ۲۱ محرم ۷۵۲ھ" اور سلطان کی قبر کے اوپر قبہ کا سن تعمیر "ہفصد و پنجاہ و چہار" (۷۵۴ھ) لکھا ہے۔ قبہ کی تکمیل تک سلطان کی نعش وہیں پر دفن رہی، کیونکہ صریحاً "کشتی ہمیں بخاک اندر" لکھا ہوا ہے۔ اس سے یہ بات پوری طرح سے واضح ہو جاتی ہے کہ سلطان محمد بن تغلق کی نعش سیہون میں کم از کم دو سال سے زیادہ دفن رہی۔ ظاہر ہے کہ فیروز شاہ سلطان مرحوم کے تابوت کو فوراً اپنے ساتھ ہاتھی پر رکھ کر سندھ سے دہلی نہیں گیا تھا جیسا کہ صاحب تاریخ مبارک شاہی نے لکھا ہے۔[12]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر سلطان محمد بن تغلق کی نعش سیہون میں کتنے دنوں تک دفن رہی۔ ۷۵۴ھ (۱۳۵۳ء) میں جب کہ سلطان مرحوم کے مقبرے کی تعمیر سیہون میں مکمل ہوئی، اس زمانے میں سلطان فیروز شاہ مشرقی صوبہ جات لکھنوتی اور بنگالہ کی مہمات میں مصروف تھا۔ اس کے بعد ۱۳۶۵ء کے اواخر سے ۱۳۶۷ء کے وسط تک وہ سندھ میں ٹھٹھ کے سمہ حکمرانوں سے برسرپیکار رہا۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۶۷ء کے وسط میں جب ٹھٹھ کے مقام پر اُچ شریف کے بزرگ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے توسل سے دہلی اور سندھ میں مستقل صلح ہو گئی اور امن و امان کا دور دورہ ہوا، غالباً اس وقت فیروز شاہ سازگار ماحول دیکھ کر سلطان مرحوم کے تابوت کو مستقل طور پر دفن کرنے کے لیے اپنے ساتھ سیہون سے دہلی لے گیا ہوگا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید سلطان محمد بن تغلق کی نعش ۷۵۲ھ مطابق ۱۳۵۱ء سے لے کر ۱۳۶۷ء تک تقریباً ۱۶ سال سیہون میں دفن رہی۔

اس کتبے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرمست نامی معمار نے لاجواب کام کیا اور سیہون میں ۷۵۴ھ میں سلطان کی قبر پر ایک "شاندار قبہ" (ایں چنیں گنبذ) کی تعمیر کو تکمیل تک پہنچایا۔ اس کے بعد یہ قبہ کوئی دو سو چالیس قمری سال کے بعد تک ۱۰۴۳ھ میں صحیح و سالم تھا۔ چنانچہ صاحب تذکرہ مشائخ سیوستان ۱۰۴۳ھ میں لکھتے ہیں کہ:

"(و متصل روضۂ مخدوم (لعل شہباز) جانب جنوب گنبذی عالی است کہ دراں سلطان محمد بن تغلق شاہ را بطریق امانت نگاہداشتہ بودند۔ و آں گنبذ تاحال باقی است" مخدوم (لعل شہباز) کے روضے سے متصل جنوب کی سمت ایک بلند قبہ موجود ہے، جس میں انھوں نے سلطان محمد بن تغلق کو بطور امانت دفن کیا تھا۔ یہ قبہ آج تک صحیح و سالم ہے۔"

اس تحریر سے راقم الحروف کے اس خیال کی پوری طرح تائید ہوتی ہے جو ۱۹۴۸ء میں ظاہر کیا گیا تھا۔ کہ سیہون میں سلطان محمد تغلق کی نعش کو صرف عارضی طور پر بطور "امانت" دفن کیا گیا تھا۔ صاحب تذکرہ مشائخ سیوستان کے اس بیان سے متذکرہ بالا کتبے کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ ایک بلند قبہ سلطان کی قبر پر سیہون میں تعمیر کیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں یہ کتبہ قبہ کے صحیح جائے وقوع کی (اور لہذا سلطان کی قبر کی بھی) اس طرح نشان دہی کرتا ہے کہ وہ قلندر شہباز کے مزار سے ملحق جنوب کی سمت ہے۔ اس سے سلطان کے مدفن کے متعلق اس غلط فہمی کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے جو کہ کتبہ والے پتھروں کے موجودہ محل وقوع سے پیدا ہو سکتی ہے کیونکہ اس وقت یہ پتھر جس چھوٹے احاطے میں نصب ہیں، وہ شہباز قلندر کے روضہ کے شمال مغربی سمت میں واقع ہے۔

حواشی :

۱؎ اس سلسلے کی دوسری اقسام میں مکتوبات، انساب اور سلاسل طریقت شامل ہیں۔

۲؎ یہ کتاب یکم ربیع الاول ۱۳۱۸ھ مطابق ۵ جولائی ۱۹۰۰ء میں مکمل ہوئی۔ قلندر شہباز کے روضہ کا کتبہ کتاب کے لیتھو ایڈیشن (ریاض ہند پریس امرتسر ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء) کے صفحات ۷-۸ پر پایا جاتا ہے۔ مصنف نے ماخذ کا نام نہیں دیا جس سے کہ قارئین یہ سمجھیں کہ اس نے خود ان کتبات کو متعلقہ عمارتوں سے نقل کیا ہے یا نہیں۔

۳؎ یہ اقتباس "لب تاریخ سندھ" بتصحیح راقم الحروف (مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ حیدرآباد ۱۹۵۹ء) میں بطور ضمیمہ کے شائع ہو چکا ہے۔

۴؎ الموسوم بہ "مخزن راز تذکرہ شہباز الملقب بہ قلندر نامہ سندھی" (لیتھوگراف ایڈیشن، لاہور)

۵؎ مآثر الامراء۔ جلد دوم، صفحات ۲۲-۲۴

۶؎ تاریخ مظہر شاہجہانی، مطبوعہ سندھی ادبی بورڈ ۱۹۶۲ء، صفحات ۱۶۴-۱۶۸

۷؎ تاریخ فیروز شاہی۔ صفحات ۶۷-۶۸

۸؎ کتبے کی عبارت دو مختلف پتھروں پر کندہ ہے۔ ابتداً تو دونوں پتھر احتیاط سے ساتھ ساتھ مقبرہ کی دیوار میں لگا دیئے گئے ہوں گے، لیکن مقبرے کے منہدم ہو جانے کے بعد ان کو جس طرح آیا، اسی طرح رکھ دیا گیا۔ چنانچہ اس وقت یہ دونوں پتھر حضرت قلندر شہباز کے روضہ سے باہر شمال مغرب کو ایک چھوٹے سے احاطہ میں اس طرح نصب ہیں

کہ گویا دو علیحدہ کتبے ہیں۔ اوپر متن میں دیا ہوا خط دونوں پتھروں کے درمیان حد فاصل کی نشاندہی کرتا ہے۔

۹ ملاحظہ ہو اورینٹل کالج میگزین لاہور۔ ۱۹۲۵ء۔ جلد دوم۔ نمبر ا صفحات ۱۵۶ تا ۱۶۱ اور آل انڈیا اورینٹل کانفرنس تری ویندرم، ٹراون کور۔ ۱۹۳۷ء کی کارروائی صفحات ۲۷۳-۲۷۷

۱۰ ملاحظہ ہو "تاریخ سندھ" مؤلفہ میر معصوم (فارسی)، مطبوعہ بھنڈارکر اورینٹل انسٹی ٹیوٹ، پونہ۔ ۱۹۳۸ء تعلیقات، صفحات ۲۸۱-۲۸۲

۱۱ ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مقالہ "سلطان محمد تغلق کا مدفن" The Burial Place of Sultan Mohammad Tughlaq مطبوعہ اسلامک کلچر، حیدرآباد دکن، شمارہ جنوری ۱۹۴۸ء

۱۲ رائل ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ ایڈیشن، مطبوعہ ۱۹۳۱ء، صفحہ ۱۱۹

الفہرست

(تالیف: محمد بن اسحٰق ابن ندیم وراق — ترجمہ و تحشیہ: مولانا محمد اسحٰق بھٹی — نگران: مولانا محمد حنیف ندوی)

محمد بن اسحٰق ابن ندیم وراق کی یہ کتاب چوتھی صدی ہجری کے علوم و فنون اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے اور اس موضوع سے متعلق بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید کے علوم، ادب وانشا اور اس کے مختلف مکاتب فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارس فکر، صرف و نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب، شعر و شعبدہ بازی، طب اور صنعت کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علماء و ماہرین اور اس سلسلہ کی تصانیف کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ متعدد مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر ترجمہ کیا گیا ہے اور فاضل مترجم نے ضروری حواشی دے کر کتاب کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔

قیمت : ۲۰ روپے

ملنے کا پتہ

سیکرٹیری ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ لاہور